ٱلۡمَاعُون Al-Maoon

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَـٰنِ ٱلرَّحِيمِ

In the name of Allah, Most Gracious, Most Merciful

Name

The Surah has been so designated after the word *al-maoon* occurring at the end of the last verse.

Period of Revelation

Ibn Marduyah has cited Ibn Abbas as saying that this Surah is Makki, and the same also is the view of Ata and Jabir. But Abu Hayyan in *Al-Bahr al-Muhit* has cited Ibn Abbas, Qatadah and Dahhak as saying that this Surah was revealed at Al-Madinah. In our opinion there is an internal piece of evidence in the Surah itself which points to its being a Madani revelation. It holds out a threat of

destruction to those praying ones who are unmindful of their Prayers and who pray only to be seen. This kind of hypocrites were found only at Al-Madinah, for it was there that Islam and the Muslims gained such strength that many people were compelled to believe from expedience, had to visit the Mosque, join the congregational Prayer and prayed only to be seen of others, so as to be counted among Muslims.

Contrary to this, at Makkah conditions were altogether different. No one had to pray to be seen. There it was difficult even for the believers to pray in congregation; they prayed secretly and if a person prayed openly he did so only at the risk of his life. This kind of hypocrites found in Makkah did not comprise those who believed and Prayed to be seen but those who in their hearts had known, and acknowledged the Messenger of Allah (peace be upon him) to be on the true path, but were avoiding to accept Islam in order to maintain their position of leadership and authority, or were not prepared to take the risk of being afflicted with the kind of hardships with which they found the believers afflicted in the society around them. This condition of the hypocrites at Makkah has been described in verse 10-11 of Surah Al-Ankabut. (For explanation, see E.Ns 13 to 16 of Surah Al-Ankabut).

Theme and Subject Matter

Its theme is to point out what kind of morals a man develops when he refuses to believe in the Hereafter. In verses 2-3 the condition of the disbelievers who openly belie the Hereafter has been described, and in the last four

verses the state of those hypocrites who apparently are Muslims but have no idea of the Hereafter, its judgment, and the meting out of rewards and punishments accordingly has been described. On the whole, the object of depicting the attitude and conduct of two kinds of people is to impress the point that man cannot develop a strong, stable and pure character in himself unless he believes in the Hereafter.

نام

آخری آیت کے آخری لفظ الماعون کو اس سورت کا نام قرار دیا گیا۔

زمانۂ نزول

ابن مردویہ نے ابن عباس اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ یہ سورہ مکی ہے اور یہی قول عطاء اور جابر کا بھی ہے۔ لیکن ابو حیان نے البحر المحیط میں ابن عباس اور قتادہ اور ضحاک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ اس سورت کے اندر ایک داخلی شہادت ایسی موجود ہے جو اس کے مدنی ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس میں اُن نماز پڑھنے والوں کو تباہی کی وعید سنائی گئی ہے جو اپنی نمازوں سے غفلت برتتے اور دکھاوے کے لیے نماز پڑھتے ہیں۔ منافقین کی یہ قسم مدینے میں ہی پائی جاتی تھی، کیونکہ وہیں اسلام اور اہل اسلام کو یہ قوت حاصل ہوئی تھی کہ بہت سے لوگوں کو مصلحتاً ایمان لانا پڑا تھا اور وہ مجبوراً مسجد میں آتے تھے، جماعت میں شریک ہوتے تھے اور دکھاوے کی نمازیں پڑھتے تھے تاکہ انہیں مسلمانوں میں شمار کیا جائے اس کے برعکس مکے میں ایسے حالات سرے سے موجود ہی نہ تھے کہ وہاں کسی کو دکھاوے کی نماز پڑھنا پڑتی۔ وہاں تو اہل ایمان کے لیے نماز باجماعت کا اہتمام بھی مشکل تھا۔ ان کو چھپ چھپ کر نماز پڑھنی پڑتی تھی اور کوئی علانیہ پڑھتا تھا تو جان پر کھیل کر پڑھتا تھا۔ منافقین کی جو قسم وہاں پائی جاتی تھی وہ ریاکارانہ ایمان لانے اور دکھاوے کی نمازیں پڑھنے والوں کی نہیں، بلکہ ان لوگوں کی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برسرحق ہونے کو جان اور مان گئے تھے، مگر ان میں سے کوئی اپنی ریاست و وجاہت اور مشیخت کو برقرار رکھنے کی خاطر اسلام قبول کرنے سے گریز کر رہا تھا اور کوئی یہ خطرہ مول لینے کے لیے

تیار نہ تھا کہ مسلمان ہو کر ان مصائب میں مبتلا ہو جائے جن میں وہ ایمان لانے والوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے مبتلا ہوتے دیکھ رہا تھا مکی دور کے منافقین کی یہ حالت سورۂ عنکبوت آیات 10-11 میں بیان کی گئی ہے

موضوع اور مضمون

اس کا موضوع یہ بتانا ہے کہ آخرت پر ایمان نہ لانا انسان کے اندر کس قسم کے اخلاق پیدا کرتا ہے۔ آیت 2 اور 3 میں ان کفار کی حالت بیان کی گئی ہے جو علانیہ آخرت کو جھٹلاتے ہیں اور آخری چار آیتوں میں ان منافقین کا حال بیان کیا گیا ہے جو بظاہر مسلمان ہیں مگر دل میں آخرت اور اس کی جزا و سزا اور اس کے ثواب و عقاب کا کوئی تصور نہیں رکھتے۔ مجموعی طور پر دونوں قسم کے گروہوں کے طرزِ عمل کو بیان کرنے سے مقصود یہ حقیقت لوگوں کے ذہن نشین کرنا ہے کہ انسان کے اندر ایک مضبوط اور مستحکم پاکیزہ کردار عقیدۂ آخرت کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتا۔

In the name of Allah, Most Gracious, Most Merciful.	اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔	بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
1. Have you seen him*1 who denies the rewards and punishments*2 of the Hereafter.*3	کیا دیکھا تم نے اس شخص کو*1 جو جھٹلاتا ہے جزا اور سزا کو*2 آخرت کی۔ *3	اَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ یُکَذِّبُ بِالدِّیۡنِ ؕ ﴿۱﴾

*1 The words "have you seen", apparently, are directed to the Prophet (peace be upon him), but the Quranic style is that on such occasions it generally addresses every intelligent and thinking person. And seeing means seeing with the eyes, for what has been described in the succeeding verses can be seen by every seer with his eyes, as well as knowing, understanding and considering something deeply. If the word *araaita* is taken in the second meaning, the verse would mean: Do you know the kind of man who

belies the rewards and punishments. Or: Have you considered the state of the person who belies the Judgment?

*1 تم نے دیکھا کا خطاب بظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر قرآن کا اندازِ بیان یہ ہے کہ ایسے مواقع پر وہ عموماً ہر صاحب عقل اور سوچنے سمجھنے والے شخص کو مخاطب کرتا ہے ۔ اور دیکھنے کا مطلب آنکھوں سے دیکھنا بھی ہے ، کیونکہ آگے لوگوں کا جو حال بیان کیا گیا ہے وہ ہر دیکھنے والا اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے ۔ اور اس کا مطلب جاننا، سمجھنا اور غور کرنا بھی ہے ۔ عربی کی طرح اردو میں بھی دیکھنے کا لفظ اس دوسرے معنی میں استعمال ہوتا ہے ۔ مثلاً ہم کہتے ہیں کہ "میں دیکھ رہا ہوں" اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں جانتا ہوں، یا مجھے خبر ہے ۔ یا مثلاً ہم کہتے ہیں کہ "ذرا یہ بھی تو دیکھو" اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ ذرا اس بات پر بھی غور کرو ۔ پس اگر لفظ اَرَءَيْتَ کو اِس دوسرے معنی میں لیا جائے تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ "جانتے ہو وہ کیسا شخص ہے جو جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے"؟ یا "تم نے غور کیا اُس شخص کے حال پر جو جزائے اعمال کی تکذیب کرتا ہے"

*2 The word *ad-din* as Quranic term is used for the rewards and punishments of the Hereafter as well as for the religion of Islam. But the theme that follows is more relevant to the first meaning, although the second meaning is also not out of the context. Ibn Abbas has preferred the second meaning, while a majority of the commentators have preferred the first. In case the first meaning is taken, the theme of the Surah would mean that denial of the Hereafter produces such and such a character in man. In case the second meaning is taken, the object of the Surah would be to highlight the moral importance of Islam, to stress that Islam aims at producing an altogether different character in its adherents from that found in its deniers.

*2 اصل میں يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ فرمایا گیا ہے ۔ الدّيْن کا لفظ قرآن کی اصطلاح میں آخرت کی جزائے اعمال

کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور دینِ اسلام کے لیے بھی۔ لیکن جو مضمون آگے بیان ہوا ہے اس کے ساتھ پہلے معنی ہی زیادہ مناسبت رکھتے ہیں، اگرچہ دوسرے معنی بھی سلسلۂ کلام سے غیر مطابق نہیں ہیں۔ ابن عباسؓ نے دوسرے معنی کو ترجیح دی ہے، اور اکثر مفسرین پہلے معنی کو ترجیح دیتے ہیں۔ اگر پہلے معنی لیے جائیں تو پوری سورۃ کے مضمون کا مطلب یہ ہو گا کہ آخرت کے انکار کا عقیدہ انسان میں یہ سیرت و کردار پیدا کرتا ہے۔ اور دوسرے معنی لیے جائیں تو پوری سورۃ کا مدّعا دین اسلام کی اخلاقی اہمیت واضح کرنا قرار پائے گا۔ یعنی کلام کا مقصد یہ ہو گا کہ اسلام اُس کے برعکس سیرت و کردار پیدا کرنا چاہتا ہے جو اِس دین کا انکار کرنے والوں میں پائی جاتی ہے۔

***3 The style shows that the object of asking this question at the outset is not to ask whether he has seen the person or not, but to invite the listener to consider as to what kind of character is produced in man when he denies the judgment of the Hereafter, and to urge him to know the kind of the people who belie this creed so that he tries to understand the moral significance of belief in the Hereafter.**

*3 اندازِ کلام سے محسوس ہوتا ہے کہ یہاں اس سوال سے بات کا آغاز کرنے کا مقصد یہ پوچھنا نہیں ہے کہ تم نے اُس شخص کو دیکھا ہے یا نہیں، بلکہ سامع کو اِس بات پر غور کرنے کی دعوت دینا ہے کہ آخرت کی جزا و سزا کا انکار آدمی میں کس قسم کا کردار پیدا کرتا ہے، اور اُسے یہ جاننے کا خواہشمند بنانا ہے کہ اِس عقیدے کو جھٹلانے والے کیسے لوگ ہوتے ہیں تاکہ وہ ایمان بالآخرۃ کی اخلاقی اہمیت سمجھنے کی کوشش کرے۔

فَذٰلِكَ الَّذِىۡ يَدُعُّ الۡيَتِيۡمَ ۙ﴿۲﴾	سو یہ وہی *4 شخص ہے جو دھکے دیتا ہے یتیم کو۔ *5	**2. For that is*4 he who drives away the orphan. *5**

***4 The letter *fa* in the sentence *fa-dhalika-alladhi* expresses the meaning of a whole sentence, which is to this effect: If you do not know, then know that it is indeed he who drives away the orphan. Or, it gives the meaning: Because of his**

this very denial of the Hereafter he is the kind of man who drives away the orphan.

***4** اصل میں فَذٰلِکَ الَّذِی فرمایا گیا ہے۔ اس فقرے میں ف ایک پورے جملے کا مفہوم ادا کرتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ "اگر تم نہیں جانتے تو تمہیں معلوم ہو کہ وہی تو ہے جو" یا پھر یہ اِس معنی میں ہے کہ "اپنے اِس انکار آخرت کی وجہ سے وہ ایسا شخص ہے جو"۔

***5 The sentence *yadu ul yatim* as used in the original, has several meanings:**

(1) That he deprives the orphan of his rights and evicting him from his father's heritage thrusts him away.

(2) That if an orphan comes to ask him for help, he repulses him instead of showing him any compassion, and if he still persists in his entreaties in the hope for mercy, he drives him away and out of sight.

(3) That he ill-treats the orphan. For example, if in his own house there is a closely related orphan, it is the orphans lot to serve the whole house, to receive rebuffs and suffer humiliation for trivial things. Besides, this sentence also contains the meaning that the person does not behave unjustly and tyrannically only occasionally but this is his habit and settled practice. He does not have the feeling that it is an evil which he must give up, but he persists in it with full satisfaction, thinking that the orphan is a helpless, powerless creature; therefore, there is no harm if his rights are taken away wrongfully, or he is made the target of tyranny and injustice, or he is repulsed and driven away whenever he asks for help.

In this connection, Qadi Abul Hasan al-Mawardi has related a strange incident in his *Aalam an-Nubuwwat*. Abu

Jahl was the testator of an orphan. The child one day came to him in the condition that he had no shred of a garment on his body and he implored him to be given something out of his father's heritage. But the cruel man paid no attention to him and the poor child had to go back disappointed. The Quraish chiefs said to him out of fun: Go to Muhammad (peace be upon him) and put your complaint before him. He will recommend your case before Abu Jahl and get you your property. The child not knowing any background of the nature of relationship between Abu Jahl and the Prophet (peace be upon him) and not understanding the motive of the mischief-mongers, went straight to the Prophet (peace be upon him) and apprised him of his misfortune. The Prophet (peace be upon him) immediately arose and accompanied the child to the house of Abu Jahl, his bitterest enemy. Abu Jahl received him well and when the latter told him to restore to the child his right, he yielded and brought out whatever he owed to him. The Quraish chiefs were watching all this earnestly in the hope that an interesting altercation would take place between them. But when they saw what actually happened they were astounded and went to Abu Jahl and taunted him saying that he too perhaps had abandoned his religion. He said: By God, I have not abandoned my religion, but I so felt that on the right and left of Muhammad (peace be upon him) there was a spear which would enter my body if I acted against what he desired. This incident not only shows what was the attitude and conduct of the principal chiefs of the most civilized and noble tribe of Arabia towards the

orphans and other helpless people in those days but it also shows what sublime character the Prophet (peace be upon him) possessed and what impact it had even on his bitterest enemies. A similar incident we have already related in E.N. 5 of Surah Al-Anbiya, which points to the great moral superiority of the Prophet (peace be upon him) because of which the disbelieving Quraish branded him as a sorcerer.

*5 اصل میں یَدُعُّ الْیَتِیْمَ کا فقرہ استعمال ہوا ہے جس کے کئی معنی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ یتیم کا حق مار کھاتا ہے اور اس کے باپ کی چھوڑی ہوئی میراث سے بے دخل کر کے اسے دھکے مار کر نکال دیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ یتیم اگر اس سے مدد مانگنے آتا ہے تو رحم کھانے کے بجائے اسے دھتکار دیتا ہے اور پھر بھی اگر وہ اپنی پریشان حالی کی بنا پر رحم کی امید لیے ہوئے کھڑا رہے تو اسے دھکے دے کر دفع کر دیتا ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ یتیم پر ظلم ڈھاتا ہے، مثلاً اس کے گھر میں اگر اس کا اپنا ہی کوئی رشتہ دار یتیم ہو تو اس کے نصیب میں سارے گھر کی خدمتگاری کرنے اور بات بات پر جھڑکیاں اور ٹھوکریں کھانے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ علاوہ بریں اِس فقرے میں یہ معنی بھی پوشیدہ ہیں کہ اُس شخص سے کبھی کبھار یہ ظالمانہ حرکت سرزد نہیں ہوجاتی، بلکہ اس کی عادت اور اس کا مستقل رویہ یہی ہے۔ اُسے یہ احساس ہی نہیں ہے کہ یہ کوئی برا کام ہے جو وہ کر رہا ہے۔ بلکہ وہ بڑے اطمینان کے ساتھ یہ روش اختیار کیے رکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یتیم ایک بے بس اور بے یار و مددگار مخلوق ہے، اس لیے کوئی ہرج نہیں اگر اس کا حق مار کھایا جائے، یا اسے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنا کر رکھا جائے، یا وہ مدد مانگنے کے لیے آئے تو اُسے دھتکار دیا جائے۔

اس سلسلے میں ایک بڑا عجیب واقعہ قاضی ابو الحسن الماوَرْدِی نے اپنی کتاب اَعلامُ النُّبُوَّۃ میں لکھا ہے۔ ابو جہل ایک یتیم کا وصی تھا۔ وہ بچہ ایک روز اِس حالت میں اُس کے پاس آیا کہ اس کے بدن پر کپڑے تک نہ تھے۔ اور اس نے التجا کی کہ اُس کے باپ کے چھوڑے ہوئے مال میں سے وہ اُسے کچھ دیدے۔ مگر اس ظالم نے اس کی طرف توجہ تک نہ کی اور وہ کھڑے کھڑے آخر کار مایوس ہو کر پلٹ گیا۔ قریش کے سرداروں نے ازراہِ شرارت اس سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جا کر شکایت کر، وہ ابو جہل سے سفارش

کر کے تجھے تیرا مال دلوا دیں گے۔ بچہ بے چارہ ناواقف تھا کہ ابوجہل کا حضورؐ سے کیا تعلق ہے اور یہ بدبخت اُسے کس غرض کے لیے یہ مشورہ دے رہے ہیں۔ وہ سیدھا حضورؐ کے پاس پہنچا اور اپنا حال آپؐ سے بیان کیا۔ آپؐ اُسی وقت اُٹھ کھڑے ہوئے اور اسے ساتھ لے کر اپنے بدترین دشمن ابوجہل کے ہاں تشریف لے گئے۔ آپؐ کو دیکھ کر اُس نے آپؐ کا استقبال کیا اور جب آپؐ نے فرمایا کہ اِس بچے کا حق اِسے دے دو۔ تو وہ فوراً مان گیا اور اس کا مال لا کر اسے دے دیا۔ قریش کے سردار تاک میں لگے ہوئے تھے کہ دیکھیں، اِن دونوں کے درمیان کیا معاملہ پیش آتا ہے۔ وہ کسی مزے دار جھڑپ کی امید کر رہے تھے۔ مگر جب انہوں نے یہ معاملہ دیکھا تو حیران ہو کر ابوجہل کے پاس آئے اور اسے طعنہ دیا کہ تم بھی اپنا دین چھوڑ گئے۔ اس نے کہا خدا کی قسم، میں نے اپنا دین نہیں چھوڑا، مگر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دائیں اور بائیں ایک ایک حربہ ہے جو میرے اندر گھس جائے گا اگر میں نے ذرا بھی ان کی مرضی کے خلاف حرکت کی۔ اِس واقعہ سے نہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں عرب کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور معزز قبیلے تک کے بڑے بڑے سرداروں کا یتیموں اور دوسرے بے یار و مددگار لوگوں کے ساتھ کیا سلوک تھا، بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس بلند اخلاق کے مالک تھے اور آپ کے اِس اخلاق کا آپ کے بدترین دشمنوں تک پر کیا رعب تھا۔ اِسی قسم کا ایک واقعہ ہم اس سے پہلے تفہیم القرآن، جلد سوم، صفحہ ۱۴۶ پر نقل کر چکے ہیں جو حضورؐ کے اُس زبردست اخلاقی رعب پر دلالت کرتا ہے جس کی وجہ سے کفارِ قریش آپ کو جادوگر کہتے تھے۔

3. And does not encourage*6 upon the feeding of the poor. *7	اور نہیں ترغیب دیتا*6 کھانا کھلانے پر نادار کو۔ *7	وَ لَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ؕ ﴿۳﴾

*6 *La yahuddu* means that the person neither persuades his own self, nor tells the people of his household, to provide the poor man with his food, nor does he urge others to recognize the rights of the poor and needy people of society who are starving and do something to satisfy their hunger.

Here, by giving only two conspicuous examples, Allah has pointed out what kind of evils are produced in the people who deny the Hereafter. The real object is not to point out only these two evils that the people drive away the orphans and do not urge giving away the food of the poor as a result of the denial of the Hereafter. But of the countless evils which are thus produced, two evils have been presented as an example, which every noble and sound-natured person will regard as hateful. Besides, another thing meant to be impressed is that if this very man had believed that he would have to go before God to render an account of his deeds, he would not have committed such evils as to deprive the orphan of his rights, tyrannize him, repulse him, neither feed the poor man himself nor urge others to give him his food. The characteristics of the believers in the Hereafter which have been described in Surah Al-Asr and Surah Al-Balad are that they exhort one another to mercy, and they exhort one another to the truth and to render the rights of others.

6* لَا یَحُضُّ کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص اپنے نفس کو بھی اِس کام پر آمادہ نہیں کرتا، اپنے گھروالوں کو بھی یہ نہیں کہتا کہ مسکین کا کھانا دیا کریں ، اور دوسرے لوگوں کو بھی اِس بات پر نہیں اُکساتا تاکہ معاشرے میں جو غریب و محتاج لوگ بھوکے مررہے ہیں ان کے حقوق پہچانیں اوران کو بھوک مٹانے کے لیے کچھ کریں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے صرف دونمایاں ترین مثالیں دے کر دراصل یہ بتایا ہے کہ اِنکارِآخرت لوگوں میں کس قسم کی اخلاقی برائیاں پیدا کرتا ہے۔ اصل مقصود اِن دو ہی باتوں پر گرفت کرنا نہیں ہے کہ آخرت کو نہ ماننے سے بس یہ دو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں کہ لوگ یتیموں کو دھتکارتے ہیں اور مسکینوں کو کھانا دینے پر نہیں اُکساتے۔ بلکہ جو بے شمار خرابیاں اِس گمراہی کے نتیجے میں رُونما ہوتی ہیں ان میں سے دو ایسی چیزیں بطورِ نمونہ پیش کی گئی ہیں جن کو ہر شریف الطبع اور سلیم الفطرت انسان مانے گا کہ وہ نہایت قبیح اخلاقی رذائل ہیں۔ اِس کے ساتھ

یہ بات بھی ذہن نشین کرنی مقصود ہے کہ اگر یہی شخص خدا کے حضور اپنی حاضری اور جواب دہی کا قائل ہوتا تو اس سے ایسی کمینہ حرکتیں سرزد نہ ہوتیں کہ یتیم کا حق مارے، اس پر ظلم ڈھائے، اس کو دُھتکارے، اور مسکین کو نہ خود کھلائے نہ کسی سے یہ کہے کہ اس کا کھانا اس کو دو۔ آخرت کا یقین رکھنے والوں کے اوصاف تو وہ ہیں جو سورۂ عصر اور سورۂ بلد میں بیان کیے گئے ہیں کہ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ (وہ ایک دوسرے کو حق پرستی اور ادائے حقوق کی نصیحت کرتے ہیں) اور وَتَوَاصَوۡا بِالۡمَرۡحَمَۃِ (وہ ایک دُوسرے کو خلق خدا پر رحم کھانے کی نصیحت کرتے ہیں)۔

*7 The words used are to *taam-il-miskin* and not *itam-il-miskin*. If *itam-il-miskin* were the words, the meaning would be that he does not urge (others) to feed the poor. But *taam -il-miskin* means that he does not urge (others) to give away the food of the poor. In other words, the food that is given to the poor man is not the food of the giver but of the poor man himself; it is his right which is enjoined on the giver, and the giver is not doing him any favor but rendering him his right. This same thing had been said in Surah Adh-Dhariyat: And in their possessions is a due share of him who asks and of him who is needy. (verse 19).

*7 اِطۡعَامِ الۡمِسۡكِيۡن نہیں بلکہ طَعَامِ الۡمِسۡكِيۡن کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ اگر اِطۡعَامِ الۡمِسۡكِيۡن کہا گیا ہوتا تو معنی یہ ہوتے کہ وہ مسکین کو کھانا کھلانے پر نہیں اُکساتے۔ لیکن طَعَامِ الۡمِسۡكِيۡن کے معنی یہ ہیں کہ وہ مسکین کا کھانا دینے پر نہیں اکساتا۔ بالفاظِ دیگر جو کھانا مسکین کو دیا جاتا ہے وہ دینے والے کا کھانا نہیں بلکہ اُسی مسکین کا کھانا ہے، وہ اُس کا حق ہے جو دینے والے پر عائد ہوتا ہے، اور دینے والا کوئی بخشش نہیں دے رہا ہے بلکہ اُس کا حق ادا کر رہا ہے۔ یہی بات ہے جو سورۂ ذاریات آیت ۱۹ میں فرمائی گئی ہے کہ وَفِیۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ ”اور ان کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق ہے“۔

4. Then woe unto those who pray. *8	تو خرابی ہے ایسے نمازیوں کی۔ *8	فَوَيۡلٌ لِّلۡمُصَلِّيۡنَۙ ﴿۴﴾

*8 The *fa* in *fa-wail-ul -lil-musallin* signifies that such was the condition of the open deniers of the Hereafter. One may then consider the condition of the hypocrites who are included among the praying ones (i.e. Muslims). Since, despite being Muslims they regard the Hereafter as a falsehood, one may note what path of ruin they are following. Though *musallin* means the praying ones, in view of the context in which this word has been used and the characteristics of these people that follow, this word, in fact, does not have the meaning of the praying ones but of the people of *salat*, i.e. of those included among Muslims.

*8 فَوَيۡلٌ لِّلۡمُصَلِّيۡنَ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ یہاں ف اس معنی میں ہے کہ کھلے کھلے منکرینِ آخرت کا حال تو یہ تھا جو ابھی تم نے سنا، اب ذرا اُن منافقوں کا حال بھی دیکھو جو نماز پڑھنے والے گروہ، یعنی مسلمانوں میں شامل ہیں۔ وہ چونکہ بظاہر مسلمان ہونے کے باوجود آخرت کو جھوٹ سمجھتے ہیں، اس لیے ذرا دیکھو کہ وہ اپنے لیے کس تباہی کا سامان کر رہے ہیں۔

مُصَلِّيۡنَ کے معنی تو "نماز پڑھنے والوں" کے ہیں، لیکن جس سلسلہ کلام میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے اور آگے ان لوگوں کی جو صفات بیان کی گئی ہیں اُن کے لحاظ سے اِس لفظ کے معنی درحقیقت نمازی ہونے کے نہیں بلکہ اہلِ صلوٰۃ، یعنی مسلمانوں کے گروہ میں شامل ہونے کے ہیں۔

5. Those who are of their prayer heedless. *9	وہ جو اپنی نماز کی طرف سے غافل رہتے ہیں۔ *9	الَّذِيۡنَ هُمۡ عَنۡ صَلَاتِهِمۡ سَاهُوۡنَ ۙ ﴿٥﴾

*9 The words used are *an-salat-i him sahun* and not *fi salat-i-him ahun*. In case the words *fi salat-i him* had been used, the meaning would be that they forget in the course of their Prayer. But forgetting in the course of the Prayer is no sin in the eyes of the *Shariah*, nothing to say of its being hypocrisy, nor is it a fault or anything blameworthy. The

Prophet (peace be upon him) himself sometimes forgot in the Prayer and to compensate for it he prescribed the method of *sajdah sahv*. On the contrary, *an salat-i-him sahun* means that they are neglectful of their Prayer. Whether they perform the Prayer, or do not perform it, it is of little importance to them. They are not regular at the Prayers. When they perform it, they do not observe the prescribed times, but offer it carelessly at the eleventh hour. Or, when they rise up for the Prayer, they rise up and perform it with an unwilling heart, as if it were a calamity imposed on them. They play with their garments, yawn and betray absence of every trace of Allah's remembrance in their hearts. Throughout the Prayer they show no feeling at all that they are performing the Prayer, nor of what they are reciting; their minds wander and they perform articles of the Prayer without due attention; they somehow perform a semblance of the Prayer and try to be rid of it as soon as possible. And there are many people who would perform the Prayer only when they must, otherwise the Prayer has no place in their lives. The Prayer time comes but they show no concern that it is the Prayer time; they hear the call to the Prayer but do not understand what the caller is calling to, whom he is calling and for what purpose. These in fact are the signs of absence of faith in the Hereafter. The claimants to Islam believe thus only because they do not believe that they would be rewarded for performing the Prayer, nor have the faith that they would be punished for not performing it. On this very basis, Anas bin Malik and Ata bin Dinar say: Thanks to God that he said *an salat-i-*

him and not *fi salat-i-him*. That is, we do forget in the course of the Prayer but we are not forgetful and neglectful of it; therefore, we shall not be counted among the hypocrites.

The Quran at another place has described this state of the hypocrites, thus: They come to offer their Prayer but reluctantly, and they spend in the way of Allah with unwilling hearts. (Surah At-Taubah, Ayat 54). The Messenger (peace be upon him) of Allah has said: This is the Prayer of the hypocrite; this is the Prayer of the hypocrite; this is the Prayer of the hypocrite! He watches the sun at the *Asr* time until when it reaches between the two horns of Satan (i.e. when the time of sunset approaches), he gets up and performs the Prayer carelessly, in which he remembers Allah but little. (Bukhari, Muslim, Musnad Ahmad). Musab bin Saad has related from his father, Saad bin Abi Waqqas: When I asked the Prophet (peace be upon him) about the people who are neglectful of their Prayer, he said: These are the people who perform their Prayers when the prescribed time for it has passed. (Ibn Jarir, Abu Yala, Ibn al-Mundhir, Ibn abi Hatim, Tabarani in *Ausat*; Ibn Marduyah, Baihaqi in *As-Sunan*). This tradition has been related as a statement of Saad himself also as a *mauquf hadith* and its *sanad* is stronger. Its being a *marfu* narration of the saying of the Prophet (peace be upon him) has been regarded as weak by Baihaqi and Hakim). Another tradition from Musab is that he asked his father: Have you considered this verse? Does it mean giving up the Prayer, or wandering of one's attention in the course

of the Prayer, who among us has not his attention divided. He replied: No, it implies wasting the prescribed time of the Prayer and performing it when its time has elapsed. (Ibn Jarir, Ibn Abi Shaibah, Abu Yala, Ibn al-Mundhir, Ibn Marduyah, Baihaqi in *As-Sunan*).

Here, one should understand that coming of other thoughts in the mind in the course of the Prayer is one thing and being unmindful of the Prayer and thinking other things during it quite another. The first state is a natural human weakness. Thoughts do interfere without intention, and as soon as a believer feels that his attention is wandering from the Prayer, he gathers it and brings it back to the Prayer. The other state is of being neglectful of the Prayer, for in it man only goes through an exercise of the Prayer mechanically, he has no intention of the remembrance of God in his heart. From the commencement of the Prayer till its completion his heart is not turned towards God even for a moment, and he remains engrossed in the thoughts with which he entered the Prayer.

9* فِیۡ صَلَاتِہِمۡ سَاھُوۡنَ نہیں کہا گیا ہے بلکہ عَنۡ صَلَاتِہِمۡ سَاھُوۡنَ کہا گیا ہے۔ اگر فی صَلوٰتِہِمۡ کے الفاظ استعمال ہوتے تو مطلب یہ ہوتا کہ وہ اپنی نماز میں بھولتے ہیں۔ لیکن نماز پڑھتے پڑھتے کچھ بھول جانا شریعت میں نفاق تو درکنار گناہ بھی نہیں ہے، بلکہ سرے سے کوئی عیب یا قابل گرفت بات تک نہیں ہے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کسی وقت نماز میں بھول لاحق ہوئی ہے۔ اور حضورؐ نے اس کی تلافی کے لیے سجدۂ سَہو کا طریقہ مقرر فرمایا ہے۔ اِس کے بر عکس عَنۡ صَلوٰتِہِمۡ سَاھُوۡنَ کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنی نماز سے غافل ہیں۔ نماز پڑھی تو اور نہ پڑھی تو، دونوں کی ان کی نگاہ میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ کبھی پڑھتے ہیں اور کبھی نہیں پڑھتے۔ پڑھتے ہیں تو اِس طرح کہ نماز کے وقت کو ٹالتے رہتے ہیں اور جب وہ بالکل

ختم ہونے کے قریب ہوتا ہے کہ تو اُٹھ کر چار ٹھونگیں مار لیتے ہیں۔ یا نماز کے لیے اُٹھتے ہیں تو بے دلی کے ساتھ اٹھتے ہیں، اور بادل ناخواستہ پڑھ لیتے ہیں جیسے کوئی مصیبت ہے جو ان پر نازل ہو گئی ہے۔ کپڑوں سے کھیلتے ہیں۔ جمائیاں لیتے ہیں۔ خدا کی یاد کا کوئی شائبہ تک ان کے اندر نہیں ہوتا۔ پوری نماز میں نہ اُن کو یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں، اور نہ یہ خیال رہتا ہے کہ انہوں نے کیا پڑھا ہے۔ پڑھ رہے ہوتے ہیں نماز اور دل کہیں اور پڑا رہتا ہے۔ مارا مار اِس طرح پڑھتے ہیں کہ نہ قیام ٹھیک ہوتا ہے نہ رکوع نہ سجود۔ بس کسی نہ کسی طرح نماز کی سی شکل بنا کر جلدی سے جلدی فارغ ہو جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور بہت سے لوگ تو ایسے ہیں کہ کسی جگہ پھنس گئے تو نماز پڑھ لی، ورنہ اِس عبادت کا کوئی مقام ان کی زندگی میں نہیں ہوتا۔ نماز کا وقت آتا ہے تو انہیں محسوس تک نہیں ہوتا کہ یہ نماز کا وقت ہے۔ موذّن کی آواز کان میں آتی ہے تو انہیں یہ خیال تک نہیں آتا کہ یہ کیا پکار رہا ہے، کس کو پکار رہا ہے اور کس لیے پکار رہا ہے۔ یہی آخرت پر ایمان نہ ہونے کی علامات ہیں۔ کیونکہ دراصل اسلام کے مدّعیوں کا یہ طرزِ عمل اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ نہ نماز پڑھنے پر کسی جزا کے قائل ہیں اور نہ انہیں اس بات کا یقین ہے کہ اس کے نہ پڑھنے پر کوئی سزا ملے گی۔ اسی بنا پر حضرت انسؓ بن مالک اور عطاء بن دِینار کہتے ہیں کہ خدا کا شکر ہے اس نے فِیۡ صَلَاتِہِمۡ سَاھُوۡنَ نہیں بلکہ عَنۡ صَلَاتِہِمۡ سَاھُوۡنَ فرمایا۔ یعنی ہم نماز میں بھولتے تو ضرور ہیں مگر نماز سے غافل نہیں ہیں اس لیے ہمارا شمار منافقوں میں نہیں ہوگا۔

قرآن مجید میں منافقین کی اِس کیفیت کو دوسری جگہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ وَلَا یَاۡتُوۡنَ الصَّلٰوۃَ اِلَّا وَھُمۡ کُسَالٰی وَلَا یُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا وَھُمۡ کٰرِھُوۡنَ وہ نماز کے لیے نہیں آتے مگر کسمساتے ہوئے اور (اللہ کی راہ میں) خرچ نہیں کرتے مگر بادل ناخواستہ" (التوبہ۔۵۴)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تلک صلوٰۃ المنافق، تلک صلوٰۃ المنافق، تلک صلوٰۃ المنافق یجلس یرقب الشمس حتّٰی اذا کانت بین قرنی الشیطان قام فنقر اربعًا لا یذکر اللہ فیہا الّا قلیلا" یہ منافق کی نماز ہے۔ یہ منافق کی نماز ہے۔ یہ منافق کی نماز ہے۔ عصر کے وقت بیٹھا سورج کو دیکھتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان پہنچ جاتا ہے (یعنی غروب کا وقت قریب آجاتا ہے) تو اُٹھ کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے جن

میں اللہ کو کم ہی یاد کرتا ہے"۔ (بخاری۔ مسلم۔ مسند احمد)۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے ان کے صاحبزادے مصعب بن سعد روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن لوگوں کے بارے میں پوچھا تھا جو نماز سے غفلت برتتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز کو اُس کا وقت ٹال کر پڑھتے ہیں (ابن جریر، ابو یعلیٰ۔ ابن المنذر۔ ابن ابی حاتم۔ طبرانی فی الاوسط۔ ابن مرذُویہ۔ بیہقی فی اسنن۔ یہ روایت حضرت سعد کے اپنے قول کی حیثیت سے بھی موقوفاً نقل ہوئی ہے اور اُس کی سند زیادہ قوی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی حیثیت سے اِس کی مرفوعاً روایت کو بیہقی اور حاکم نے ضعیف قرار دیا ہے)۔ حضرت مصعب کی دوسری روایت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے والد ماجد سے پوچھا کہ اِس آیت پر آپ نے غور فرمایا؟ کیا اِس کا مطلب نماز کو چھوڑ دینا ہے؟ اِس سے مراد نماز پڑھتے پڑھتے آدمی کا خیال کہیں اور چلا جانا ہے؟ خیال بٹ جانے کی حالت ہم میں سے کس پر نہیں گزرتی؟ انہوں نے جواب دیا نہیں، اِس سے مراد نماز کے وقت کو ضائع کرنا اور اسے وقت ٹال کر پڑھنا ہے (ابن جریر، ابن ابی شیبہ، ابو یعلیٰ، ابن المنذر، ابن مرذُویہ، بیہقی فی السنن)۔

اس مقام پر یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ نماز میں دوسرے خیالات کا آجانا اور چیز ہے اور نماز کی طرف کبھی متوجہ ہی نہ ہونا اور اس میں ہمیشہ دوسری باتیں ہی سوچتے رہنا بالکل دوسری چیز۔ پہلی حالت تو بشریت کا تقاضا ہے، بلا اِرادہ دوسرے خیالات آہی جاتے ہیں، اور مومن کو جب بھی یہ احساس ہوتا ہے کہ نماز سے اس کی توجہ ہٹ گئی ہے تو وہ پھر کوشش کر کے اُس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ دوسری حالت نماز سے غفلت برتنے کی تعریف میں آتی ہے، کیونکہ اس میں آدمی صرف نماز کی ورزش کر لیتا ہے، خدا کی یاد کا کوئی ارادہ اس کے دل میں نہیں ہوتا، نماز شروع کرنے سے سلام پھیرنے تک ایک لمحہ کے لیے بھی اس کا دل خدا کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، اور جن خیالات کو لیے ہوئے وہ نماز میں داخل ہوتا ہے اُنھی میں مستغرق رہتا ہے۔

6. Those who would be seen. *10	وہ جو ریاکاری کرتے ہیں۔ *10	الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۙ﴿٦﴾

*10 This can be an independent sentence as well as one relating to the preceding sentence. In the first case, it would mean that they do not perform any act of goodness with a

pure intention for the sake of God, but whatever they do, they do to be seen of others so that they are praised, are considered righteous, their good act is publicized and its advantage and benefit accrues to them here in the world. In the second case, the meaning would be that they pray to be seen. The commentators generally have preferred the second meaning, for at first sight it appears that it relates to the preceding sentence. Ibn Abbas says: It implies the hypocrites who prayed to be seen. They performed the Prayer if there was somebody to see them, but did not perform it if there was nobody to see them. In another tradition his words are to the effect: If they were alone they did not pray; but if there were others, they prayed. (Ibn Jarir, Ibn al-Mundhir, Ibn Abi Hatim , Ibn Marduyah, Baihaqi , in *Ash-Shuab*). In the Quran the hypocrites have been described thus: When they rise up for the salat, they go reluctantly to it, merely to be seen of people and they remember Allah but little. (Surah An-Nisa, Ayat 142).

10* یہ فقرہ ایک مستقل فقرہ بھی ہوسکتا ہے اور پہلے فقرے سے متعلق بھی۔ اگر اسے ایک مستقل فقرہ قرار دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کوئی نیک کام بھی وہ خالص نیت کے ساتھ خدا کے لیے نہیں کرتے بلکہ جو کچھ کرتے ہیں دوسروں کو دکھانے کے لیے کرتے ہیں تاکہ ان کی تعریف ہو، لوگ ان کو نیکو کار سمجھیں، ان کے کارِ خیر کا ڈھنڈورا دنیا میں ہو، اور اس کا فائدہ کسی نہ کسی صورت میں انہیں دنیا ہی میں حاصل ہو جائے۔ اور اگر اس کا تعلق پہلے فقرے کے ساتھ مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ دکھاوے کی نمازیں پڑھتے ہیں۔ مفسرین نے بالعموم دوسرے ہی معنیٰ کو ترجیح دی ہے کیونکہ پہلی نظر میں یہی محسوس ہوتا ہے کہ اِس کا تعلق پہلے فقرے سے ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں، "اس سے مراد منافقین ہیں جو دکھاوے کی نماز پڑھتے تھے، اگر دوسرے لوگ موجود ہوتے تو پڑھ لیتے اور کوئی دیکھنے والا نہ ہوتا تو نہیں پڑھتے تھے"۔ دوسری روایت

میں اُن کے الفاظ یہ ہیں: "تنہا ہوتے تو نہ پڑھتے اور علانیہ پڑھ لیتے تھے" (ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، بیہقی فی الشعب)۔ قرآن مجید میں بھی منافقین کی یہ حالت بیان کی گئی ہے کہ وَإِذَا قَامُوٓا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوا كُسَالٰى يُرَآءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيلًا ۔ "اور جب وہ نماز کے لیے اُٹھتے ہیں تو کسمساتے ہوئے اُٹھتے ہیں، لوگوں کو دکھاتے ہیں، اور اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں" (النساء۔ ۱۴۲)

وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۝٧	اور نہیں دیتے برتنے کی چھوٹی چیزیں ۔ *11	7. And withhold from supplying small needs. *11

*11 The word used is *maun*. The view held by Ali, Ibn Umar, Saeed bin Jubair, Qatadah, Hasan Basri, Muhammad bin Hanafiyyah, Dahhak, Ibn Zaid, Ikrimah, Mujahid, Ata and Zuhri is that it implies the *zakat* while Ibn Abbas, Ibn Masud, Ibrahim Nakhai, Abu Malik and many other scholars have expressed the opinion that it implies items of common use; for example, cooking-pot, bucket, hatchet, balance, salt, water, fire, flint (now its successor, the match-stick), etc. which the people generally borrow from each other. A statement of Saeed bin Jubair and Mujahid also supports it. Another view of Ali also is that it implies the zakat as well as the little courtesies and kindnesses of daily life. Ibn Abi Hatim has related from Ikrimah that *maun* of the highest form is *zakat* and of the lowest lending of a sieve, bucket, or needle to a borrower. Abdullah bin Masud says: We, the companions of Muhammad (peace be upon him), used to say, and according to other traditions, in the time of the Prophet (peace be upon him), used to say that *maun* implies lending of the cooking pot, hatchet, bucket, balance, and such other

things. (Ibn Jarir, Ibn Abi Shaibah, Abu Daud, Nasai, Bazzar, Ibn al-Mundhir, Ibn Abi Hatim, Tabarani in Al-Ausat, Ibn Marduyah, Baihaqi in *As-Sunan*). Saad bin Iyad without specifying any names has related almost the same view from the companions of the Prophet (peace be upon him), which shows that he had heard this from several companions. (Ibn Jarir, Ibn Abi Shaibah). Dailami, Ibn Asakir, and Abu Nuaim have related a tradition from Abu Hurairah in which he says that the Prophet (peace be upon him) explained this verse saying that it implies the hatchet, bucket and other such things. If this tradition is genuine, it probably did not come to the notice of other scholars; otherwise it was not possible that other people should have given any other commentary of this verse. *Maun* in fact is a small, little thing useful to the people. Accordingly, *zakat* also is *maun*, for it is a little amount out of much wealth, which one has to give away in order to help the poor, and the other small items of common use are also *maun* as mentioned by Abdullah Ibn Masud and the scholars who share his viewpoint. The majority of the commentators say that *maun* applies to all those small things which the neighbors usually ask each other for, and asking for these is not in any way blameworthy, for the rich and the poor, all stand in need of these at one time or another. However, to show stinginess in lending these is regarded as mean behavior morally. Generally these things by themselves last and the neighbor returns them in the original form after he has used them. It would also be *maun* if a neighbor asks the other for a bed or bedding items on

the arrival of guests, or asks the neighbor's permission to have loaves baked in his oven, or wants to leave some valuables in the neighbor's custody when going out of his house for some days. Thus, the verse means to impress that denial of the Hereafter renders a man so narrow-minded and niggardly that he is not even prepared to make a most minor sacrifice for the sake of others.

11* اصل میں لفظ ماعون استعمال ہوا ہے۔ حضرت علیؓ، ابن عمرؓ سعید بن جبیر، قتادہ، حسن بصری، محمد بن حنفیہ، ضحاک، ابن زید، عکرمہ، مجاہد، عطاء اور زُہری رحمہم اللہ کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد زکوٰۃ ہے۔ ابن عباسؓ ابن مسعودؓ، ابراہیمؒ نخعی، ابو مالکؒ اور بہت سے دوسرے حضرات کا قول ہے کہ اس سے مراد عام ضرورت کی اشیاء مثلاً ہنڈیا، ڈول، کلہاڑی، ترازو، نمک، پانی، آگ، چقماق (جس کی جانشین اب دیا سلائی ہے) وغیرہ ہیں جو عموماً لوگ ایک دوسرے سے عاریۃً مانگتے رہتے ہیں۔ سعید بن جبیرؒ اور مجاہد کا بھی ایک قول اسی کی تائید میں ہے۔ حضرت علیؓ کا بھی ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد زکوٰۃ بھی ہے اور یہ چھوٹی چھوٹی عام ضروریات کی چیزیں بھی۔ عکرمہ سے ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے کہ ماعون کا اعلیٰ مرتبہ زکوٰۃ ہے اور ادنیٰ ترین مرتبہ یہ ہے کہ کسی کو چھلنی، ڈول یا سوئی عاریۃً دی جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہا کرتے تھے (اور بعض روایات میں ہے کہ حضورؐ کے عہد مبارکہ میں یہ کہا کرتے تھے) کہ ماعون سے مراد ہنڈیا، کلہاڑی، ڈول، ترازو، اور ایسی ہی دوسری چیزیں مستعار دینا ہے (ابن جریر، ابن ابی شیبہ، ابو داؤد، نِسائی، بزّار، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، طبرانی فی الاوسط، ابن مردویہ، بیہقی فی السنن، سعد بن عیاض ناموں کی تصریح کے بغیر قریب قریب یہی قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے نقل کرتے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے متعدد صحابہ سے یہ بات سنی تھی (ابن جریر، ابن ابی شیبہ) دَیلمی، ابن عساکر اور ابو نعیم نے حضرت ابوہریرہ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ جس میں وہ کہتے ہیں کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی یہ تفسیر بیان فرمائی کہ اس سے مراد کلہاڑی اور ڈول اور ایسی ہی دوسری چیزیں ہیں۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو غالباً یہ دوسرے لوگوں کے علم میں نہ آئی ہو

گی، ورنہ ممکن نہ تھا کہ پھر کوئی شخص اس آیت کی کوئی اور تفسیر کرتا۔

اصل میں بات یہ ہے کہ ماعون چھوٹی اور قلیل چیز کو کہتے ہیں جس میں لوگوں کے لیے کوئی منفعت یا فائدہ ہو۔ اس معنی کے لحاظ سے زکوٰۃ بھی ماعون ہے، کیونکہ وہ بہت سے مال میں سے تھوڑا سا مال ہے جو غریبوں کی مدد کے لیے دینا ہوتا ہے، اور وہ دوسری عام ضرورت کی اشیاء بھی ماعون ہیں جن کا ذکر حضرت عبد اللہ بن مسعود اور ان کے ہم خیال حضرات نے کیا ہے۔ اکثر مفسرین کا خیال یہ ہے کہ ماعون کا اِطلاق اُن تمام چھوٹی چھوٹی چیزوں پر ہوتا ہے کہ جو عادۃً ہمسایے ایک دوسرے سے مانگتے رہتے ہیں۔ اُن کا مانگنا کوئی ذلت کی بات نہیں ہوتا، کیونکہ غریب اور امیر سب ہی کو کسی نہ کسی وقت ان کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔ البتہ ایسی چیزوں کو دینے سے بخل برتنا اخلاقاً ایک ذلیل حرکت سمجھا جاتا ہے۔ عموماً ایسی چیزیں بجائے خود باقی رہتی ہیں اور ہمسایہ ان سے کام لے کر انہیں جوں کا توں واپس دے دیتا ہے۔ اِسی ماعون کی تعریف میں یہ بھی آتا ہے کہ کسی کے ہاں مہمان آجائیں اور وہ ہمسائے سے چارپائی یا بستر مانگ لے۔ یا کوئی اپنے ہمسائے کے تنور میں اپنی روٹی پکا لینے کی اجازت مانگے۔ یا کوئی کچھ دنوں کے لیے باہر جا رہا ہو اور حفاظت کے لیے اپنا کوئی قیمتی سامان دوسرے کے ہاں رکھوانا چاہے۔ پس آیت کا مقصود یہ بتانا ہے کہ آخرت کا انکار آدمی کو اتنا تنگ دل بنا دیتا ہے کہ وہ دوسروں کے لیے کوئی معمولی ایثار کرنے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتا۔